Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم وحکمت قرآن کے لیے مقرر نصاب کے مطابق

غیر متبدل قوانینِ قرآن

قانون قضاء بالحق

الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر 18-C، اسکیم-33، نزد جمالی پُل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

ابن فارس نے القضاء کے بنیادی معنی لکھے ہیں: کسی چیز کو محکم اور مضبوط کرنا اور اسے اس کی جہت پر نافذ کرنا۔ یعنی جس طرف اسے جانا چاہیے ادھر لے جانا۔ نیز اس کے معنی کسی بات کو بالکل واضح کر دینا بھی ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے: اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا (البقرہ:۱۱۷) ”جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے۔“ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا ﴿۲۱﴾ (مریم:۲۱) فیصلہ شدہ بات۔ طئہ شدہ معاملہ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے:

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ (آیت:۲۳)

”تیرے رب نے وحی کے ذریعے اپنے اس حکم کو انسانوں تک پہنچا دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہ کریں۔“

حَقٌّ کے معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود، واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے سے انکار نہ کیا جا سکے۔ (راغب اصفہانی) ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں صحت (صحیح ہونا) اور استحکام و ثبات دونوں شامل ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ۚ (الزمر:۵)

”یہ (کائنات) آسمان و زمین بالحق پیدا کی گئی ہے۔“

قیامت کے واقع ہونے کو بھی حق کہا گیا ہے۔

وَ جَآءَتۡ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ؕ (ق:۱۹) کیونکہ وہ ایک شدنی اور اٹل حقیقت ہے اس وجہ سے اس کو حق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں ماضی کا صیغہ اس کے قطعیت کے اظہار کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو بہت دور خیال نہ کرو بلکہ یہ ایک آئی ہوئی چیز سمجھو۔

سورۃ احقاف میں ہے کہ مجرمین کو عذاب کے سامنے کھڑا کر کے ان سے پوچھا جائے گا کہ:

اَلَیۡسَ ھٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ (آیت:۳۴)

''کہو! یہ مکافات عمل ایک ٹھوس حقیقت ہے یا نہیں؟''

وَیُحِقُّ اللّٰہُ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ (یونس:۸۲)

''وہ حق کو اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائے گا۔''

حَقٌّ کی اپنی معنی ثابت ہو جانا ہے لیکن جب قرآن حکیم نے اسی ثابت کر دکھانے کا بیان کیا تو اس کے واقع ہونے کے لزوم کو بیان کیا۔ اور جب بِکَلِمٰتِہٖ کا لاحقہ ہوا تو یہ ایک غیر متبدل قانون بن گیا۔

حق کوئی ذہنی، تصوراتی یا محض عقیدے کی چیز نہیں بلکہ یہ عقائد و نظریاتِ حیات کے تعمیری نتائج کا نام ہے جو ٹھوس شکل میں سامنے آجائیں اور جو زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیتے جائیں۔ قرآن میں حَقٌّ کے مقابلہ میں بَاطِلٌ آیا ہے۔ جس طرح حَقٌّ کے معنی ٹھوس تعمیری نتائج کے ہیں۔ اسی طرح بَاطِلٌ ان کوششوں کا نام ہے جن کا نتیجہ وہ نہ نکلے جو ان سے مقصود ہوں۔ ایسی چیز جس میں ثبات نہ ہو یعنی وہ بظاہر نظر آئے لیکن جب تحقیق کی جائے تو اس میں ثبات دکھائی نہ دے۔

علم کو حق کا درجہ حاصل ہے

قرآن حکیم نے علم کو حق کے درجہ میں بتایا ہے۔

وَمَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ﴿۲۸﴾ (النجم:۲۸)

”اور اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی اور ذریعہ تحقیق و علم نہیں محض اپنے گمان پر چل رہے ہیں اور راہِ ظن و تخمین کا یہ حال ہے کہ وہ حقیقت و علم کے سامنے کچھ کارآمد نہیں۔“

لفظ ظنّ یہاں علم کے مقابل کی حیثیت سے بھی استعمال ہوا ہے اور حق کے مقابل کی حیثیت سے بھی۔ علم انسان کو اس کی فطرت اور عقل کی راہ سے بھی حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی سے بھی۔ جو علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ دراصل الہدیٰ کا درجہ رکھتا ہے اس لیے وہ ہر شبہ سے بالا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس کو حق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس بات کے حق میں نہ فطرت اور عقل کی گواہی موجود ہو نہ وحی کی شہادت وہ سرتاسر ظن ہے اور یہ بالکل باطل ہے۔

حق کا اظہار معرفت کا سبب ہے

قرآن حکیم میں ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ (حٰم السجدہ:۵۳)

”ہم اپنی نشانیاں عالم کائنات کے مختلف اطراف و جوانب میں بھی دکھائیں گے اور انسان کے نفس کے اندر بھی، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا کہ دین الٰہی برحق ہے۔“

قرآن کی یہ آیت ۱۵ سو سال پہلے نازل ہوئی کہ حق کی صداقتوں کو ہم کائنات کی تخلیقی وسعتوں اور انسان کی حیرت انگیز تخلیق اور صلاحیتوں میں دکھائیں گے۔ یہ جدید دور میں نظریاتی سائنس کے ذریعے دریافت ہونے والے حقائق فطرت ہیں۔ ان حقائق نے دورِ جدید میں معرفتِ خداوندی کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ تخلیقاتِ الٰہیہ میں کمالاتِ الٰہیہ کو دیکھے اور معرفت خداوندی کا اعلیٰ درجہ حاصل کرے۔ اسی طرح کے تبیان حق یا غلبہ حق کا ایک یہ بھی تقاضا ہے کہ سائنسی تحقیق

کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والے اقدار کو جو اعلیٰ انسانیت کے مؤید ہیں ان سے استفادہ کیا جائے اور تحقیق کے ذرائع کو دعوت الی اللہ کے پھیلانے کے لئے استعمال کیا جائے تا کہ آدمی رسول اکرم ﷺ کی وہ پیشنگوئی پوری کرنے میں اپنا حصہ ملائے کہ ”زمین کی پشت پر کوئی چھوٹا یا بڑا گھر باقی نہیں رہے گا جہاں اللہ اسلام کا کلمہ نہ پہنچا دے۔“

انتخاب طبیعی اور بقاء انفع کا قانون

قرآن حکیم کا ایک قانون انتخابِ طبیعی اور ایک قانون بقائے انفع ہے۔ اس قانون کی رُو سے دنیا میں جو دوسروں کے لیے اَصلح، فائدہ مند اور نفع بخش ہوتا ہے، قدرت کا انتخاب طبیعی اس کو باقی رکھتا ہے اور جو غیر فائدہ مندہ ہو اس کو مٹا دیا جاتا ہے۔ حیات و اشیاء کی ارتقا بھی اس قانون کے تحت ہوتی آئی ہے۔ قرآن حکیم نے اس کا بار بار ذکر کیا ہے۔ سورۃ رعد کی آیت نمبر ۱۷ میں اس قانون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَ مِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَ الۡبَاطِلَ ۖ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ﴿۱۷﴾

”اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پس اپنی اپنی گنجائش کے مطابق زمین کے نالے پانی سے بھر گئے اور بہہ نکلے۔ ساتھ ہی اور شور سے پانی کی رو گرنے لگی اور پانی کی سطح جھاگ سے بھر گئی۔ اب دیکھو کہ کس طرح پانی کی رو جھاگ کو بہالے جا رہی ہے۔ (اور دیکھو!) اسی طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اس وقت بھی اُٹھتا ہے جب لوگ زیور یا اور کوئی چیز بنانے کے لیے دھاتوں کو آگ میں تپاتے ہیں۔ حق اور باطل کے معاملہ کی مثال ایسی ہی سمجھو جو

اللہ بیان کر دیتا ہے۔ پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائیگان گیا اور جس چیز میں انسان کے لیے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی۔ اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لیے) مثالیں بیان کر دیتا ہے۔"

اس آیت میں جہاں قانون بقاء انفع کا ذکر کیا گیا ہے وہاں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ اس بیان سے مقصود "حق" اور "باطل" کی حقیقت واضح کرنی ہے۔

كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَ الۡبَاطِلَ ؕ (الرعد:۱۷)

"اس طرح اللہ "حق" اور "باطل" کی ایک مثال بیان کرتا ہے۔"

قانون قضاء بالحق کس طرح کام کرتا ہے

قرآن حکیم کہتا ہے کہ جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے، جو چیز نافع ہوتی ہے باقی رہتی ہے اور جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کر دیتی ہے، ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے۔ جو عمل حق ہو گا قائم اور ثابت رہے گا، جو باطل ہو گا مٹ جائے گا۔ اور جب کبھی حق اور باطل متقابل ہوں گے تو بقاء حق کے لیے ہو گی نہ کہ باطل کے لیے۔ قرآن حکیم اسے "قضاء بالحق" سے تعبیر کرتا ہے، یعنی فطرت کا فیصلہؑ حق جو باطل کے لیے نہیں ہو سکتا:

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾ (المؤمن:۷۸)

"اور (اے پیغمبر!) آپ سے پہلے ہم نے کتنے ہی پیغمبر مبعوث فرمائے، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ کو سنائے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ کو نہیں

سنائے (یعنی قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا) اور کسی رسول کو یہ مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لے آتا۔ پھر جب وہ وقت آگیا کہ حکم الٰہی صادر ہو تو (خدا کا) فیصلہ ٔ حق نافذ ہو گیا اور اس وقت ان لوگوں کے لیے جو بر سرِ باطل تھے، تباہی ہوئی!"

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم نے اِس حقیقت کی تعبیر کے لئے "حق" اور "باطل" کا لفظ اختیار کر کے مجرد تعبیر ہی سے حقیقت کی نوعیت واضح کر دی، کیونکہ حق اسی چیز کو کہتے ہیں جو ثابت و قائم ہو اور باطل کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ مٹ جانا، قائم وباقی نہ رہنا۔ پس جب وہ کسی بات کے لیے کہتا ہے کہ یہ "حق" ہے تو یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہوتا بلکہ دعوے کے ساتھ اس کے جانچنے کا ایک معیار بھی پیش کر دیتا ہے۔ یہ بات حق ہے، یعنی نہ ٹلنے والی، نہ مٹنے والی بات ہے۔ یہ بات باطل ہے، یعنی نہ ٹک سکنے والی، مٹ جانے والی بات ہے۔ پس جو بات اٹل ہو گی اس کا اٹل ہونا کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ جو بات مٹ جانے والی ہے اس کا مٹنا ہر آنکھ دیکھ لے گی۔" (ام الکتاب: ص ۱۰۰)

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

"اور اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ بعض انسانوں کے ذریعے بعض کو دفع کراتا تو زمین فساد کے ذریعہ تباہ ہو جاتی لیکن اللہ کی حکمت کائنات کے لیے فضل و احسان ہے (کہ وہ ایسی صورتحال دور کراتا رہتا ہے۔)" (آیت: ۲۵۱)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے فلسفہ تاریخ میں دینِ حنفیت کی تاریخی ارتقا پر رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے دین حنیف کی جو بنیادیں ڈالیں گئیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آخری کڑی تھے۔ آل یعقوب سے اس کی منتقلی پر فرماتے ہیں کہ قرآن میں " اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا کا اشارہ زکریا علیہ السلام کی دعا اور اس کی مقبولیت کی طرف ہے۔ آلِ یعقوب کا معاملہ اتنا خراب ہو چکا تھا کہ جب تک اُس کی اصلاح کے لئے ایک روح القدس کا مجسمہ کھڑا نہیں ہوتا، وہ ملت اپنا وجود نہیں سنبھال سکتی تھی۔ زکریا علیہ السلام

نے اُس کے بچانے والی اولاد مانگی۔ یحیٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کا راستہ صاف کیا۔ مسیح کی ہاتھوں وہ کام بن پڑا جس کی تکمیل خاتم النبیین ﷺ نے قرآن حکیم کے انقلاب کو کامیاب بنا کر دی۔"

اللہ کی صفت بھی "الحق" ہے

قرآن حکیم اللہ کی نسبت بھی "الحق" کی صفت استعمال کرتا ہے، کیونکہ اس کی ہستی سے بڑھ کر اور کون سی حقیقت ہے جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے؟

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ (یونس:۳۲)

"پس یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار "الحق۔"

سورۃ یونس کی مذکورہ آیت میں اہل عرب کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب تم ابراہیمی دین کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک مانتے ہو۔ موت و حیات کا مالک بھی اسی کو مانتے ہو اور اسی کی تدبیر و امر کا یقین رکھتے ہو تو پھر دوسروں کو اس کا شریک کیوں مانتے ہو۔ جب تمہارا پروردگار حق ایک اللہ ہی تو اس حق کو جاننے کے بعد ضلال و گمراہی کی طرف جانے کا جواز کیا ہے؟ تمہاری یہ باتیں تمہارے اپنے مسلمات کے خلاف ہیں اس طرح تم اپنے ہی منہ سے اپنے کو جھٹلاتے ہو۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ (المؤمنون:۱۱۶)

"پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا، الملک (یعنی فرمانروا) الحق (یعنی ثابت)۔"

وحی و تنزیل بھی "الحق" ہے

قرآن حکیم وحی و تنزیل کو بھی "الحق" کہتا ہے، کیونکہ وہ دنیا کی ایک قائم و ثابت حقیقت ہے۔ جن قوتوں نے اسے مٹانا چاہا تھا وہ خود مٹ گئیں، حتیٰ کہ آج ان کا نام و نشان

بھی باقی نہیں، لیکن وحی و تنزیل کی حقیقت ہمیشہ قائم رہی اور آج تک قائم ہے:

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنِ اہۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَہۡتَدِیۡ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡہَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۱۰۸﴾ؕ وَ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَ اصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ ۚۖ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ (یونس:۱۰۸-۱۰۹)

”(اے پیغمبر !لوگوں سے) کہہ دو کہ اے افراد نسل انسانی !بلاشبہ تمہارے پروردگار کی طرف سے وہ چیز تمہارے لیے آگئی جو ”حق“ ہے۔پس اب جس کسی نے سیدھی راہ اختیار کی تو یہ راست روی اسی کی بھلائی کے لیے ہے اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اس کی گمراہی کا نقصان بھی اسی کے لیے ہے۔اور (میرا کام تو صرف راہ حق دکھا دینا ہے) میں تم پر نگہبان مقرر نہیں کیا گیا ہوں (کہ تم کو پکڑ کر زبردستی راہ پر لگا دوں۔)اور (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے اس کے مطابق چلو اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“

وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ (بنی اسرائیل:۱۰۵)

”اور (اے پیغمبر!) ہماری طرف سے اس کا (یعنی قرآن کا) نازل ہونا حق ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل بھی ہوا ہے۔“

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ ”قرآن حکیم جب علامتِ تعریف کے ساتھ کسی بات کو ”الحق“ کہتا ہے تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہوتی ہے اور اسی لیے وہ اکثر حالتوں میں صرف ”الحق“ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔اس سے زیادہ کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتا، کیونکہ اگر فطرت کائنات کا یہ قانون ہے کہ وہ حق و باطل کے نزاع میں حق ہی کو باقی رکھتی ہے تو کسی بات کے امر حق ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ”حق“ ہے۔یعنی باقی و قائم رہنے والی حقیقت ہے۔اس کا بقاء و قیام خود ہی اپنی حقیقت کا اعلان کر دے گا۔“ (ام الکتاب: ص۱۰۱)

حق و باطل کا ٹکراؤ کیوں؟

جب قرآن حکیم جابجا حق اور باطل کے نزاع کا ذکر کرتا ہے اور پھر بطور اصل اور قاعدہ کے اس پر زور دیتا ہے کہ کامیابی حق کے لیے ہے اور ہزیمت و خسران باطل کے لیے ہے تو یہ تمام مقامات بھی اسی قانون "قضاء بالحق" کی تصریحات ہیں اور اسی حقیقت کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

سورۃ الانبیاء میں فرمایا: "اور دیکھو! ہم نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کچھ کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں بنایا۔ اگر ہمیں کھیل تماشا بنانا منظور ہوتا تو (ہمیں اس سے کون روک سکتا تھا؟) ہم خود ہی اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ بناتے، مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں تھے۔"

قرآن حکیم کہتا ہے کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ہم نہ صرف حق کو بقا دیتے ہیں بلکہ ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ (الانبیاء:۱۸)

"اور ہمارا قانون یہ ہے کا حق باطل سے ٹکراتا ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے اور اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہو گیا!"

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ (بنی اسرائیل:۸۱)

"اور کہہ دو! حق نمودار ہو گیا اور باطل نابود ہوا اور یقیناً باطل نابود ہی ہونے والا تھا۔"

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ کا ظہور

سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ۷۹ سے ۸۲ تک مطالعہ کریں تو جَاءَ الْحَقُّ کی عملی شکل اور صورت آشکار ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ آیات آخری مکی زندگی کی ہیں اور ان میں مدینہ

کی طرف ہجرت کی تیاری کا عندیہ ہے۔ آیت ۷۹ میں عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ ”قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت ہی محمود مقام ہو۔“ قرآنیات کے جن ماہروں نے مَقَامًا مَّحْمُوْدًا میں مقام لفظ کو مصدر کے معنی میں لیا ہے وہ بَعَثَ کی معنی اٹھانے اور مَقَامٌ کی معنی کھڑے ہونے اور اٹھنے کی لیتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کے مفعول مطلق واقع ہونے میں قباحت نہیں ہوتی۔ اس طرح مذکورہ آیت کا مطلب ہوا آج تو تمہاری مخالفت میں یہ کفار مکہ شور مچائے ہوئے ہیں لیکن تمہیں جو حق کا پیغام دیا گیا ہے اس پر ڈٹے رہو اور یہ توقعہ رکھو کہ تمہارا رب تمہیں اس حال میں اٹھائے گا کہ ایک عظیم امت اور اقوام عالم کی زبانوں پر تمہارے لیے تحسین و تعریف کا ترانہ ہو گا اور اللہ کے ہاں بھی تمہاری مساعی محمود و مشکور ہو نگی۔ آیت ۸۰ میں اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ مدینہ میں عزت، رسوخ اور استحکام سے داخل ہونے اور اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ مکہ سے اخراج کا خدائی بندوبست ہونے کا ذکر ہے۔ مدینہ میں رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پروگرام پر اسلام کے غلبہ سے ایک نئے دو کو جنم دے رہے تھے جس میں انسانی صداقتوں، اعلیٰ اصولوں اور حق کی حکمرانی اور غلبہ اور ابطال کا خاتمہ تھا تو اس کو وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ کی نوید بتایا گیا۔ پھر آیت ۸۲ میں اس انقلاب اور تبدیلی کا محور اور محرک قرآن حکیم کی تعلیمات کو رکھنے کی تعلیم دی گئی۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (آیت:۸۲)

”اور ہم نے جو کچھ قرآن میں نازل کیا ہے وہ یقین کرنے والوں کے لیے (زندگی کی بھلائیوں والی) شفا اور رحمت ہے۔ اور جو نافرمان ہیں تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں۔ بجز اس کے کہ (انکار و شقاوت کی وجہ سے) اور زیادہ تباہ ہوں۔“

حق کے غالب ہونے کا اطلاقی طریقہ کار

مدینہ میں حق کے غالب ہونے اور باطل کے مٹ جانے کا یہ قانون ہمیں سکھاتا ہے کہ وہ اطلاقی طور پر کام کرتا ہے۔ مکہ میں سرداروں کے جبر و استحصال کی سوسائٹی کو آنحضرت ﷺ نے توڑنے کے لیے مدینہ میں سوشل کنٹریکٹ کے بنیاد پر ایک ریاست کا آغاز کیا۔ میثاق مدینہ میں انسانی مسلمات یعنی حق کے وہ تین بنیادی اصول شامل کیے گئے جو مکہ کے باطل نظام نے جبر و استحصال سے ختم کیے تھے۔ تمام انسانوں کی شمولیت سے "دولت عربیہ" نامی مملکت کی بنیاد ڈالی گئی جس کے تین مرکزی نکات شامل کیے: (۱) یہ مملکت معاہدے میں شامل تمام انسانوں کی امت واحدہ یعنی قومی مملکت ہو گی۔ (۲) یہ مملکت تمام شریک لوگوں کے اقتصادی ضرورتوں کا بندوبست کرے گی۔ (۳) اس سوشل کنٹریکٹ میں شامل تمام لوگوں کو اپنے اپنے دین پر چلنے کی آزادی حاصل ہو گی۔

یہ تین بنیادی انسانی مسائل انسانی مسلمات میں سے تھے جس کو مکہ کے سرداروں نے جبر کے ذریعے قیصر روم کی شہنشاہیت کی سرپرستی میں ختم کیا تھا۔ اس ابطال کو رسول اللہ ﷺ نے حق کے غلبہ کے ساتھ ختم کیا تو حق کا یہ غلبہ عالمگیر بنتا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس کے ساتھیوں نے حق کے اس غلبہ کو دنیا کی دیگر اقوام تا وسیع کر دیا۔ حق کے غالب ہونے کا اطلاقی طریقہ کار (appliedmethodology) کہلاتا ہے۔

ہمارے دور میں حق کا غلبہ

ہمارے دور میں سرمائیداریت کے غلبہ کے ابطال نے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں لے رکھا ہے۔ سرمائیداریت Capitalism کے تحفظ کے لیے دنیا کی بڑی طاقتوں نے معاہدات کر رکھے ہیں اور جو بھی اس نظام کے خاتمہ کا چیلینج بنتا ہے اس کے خلاف یہ مغربی اتحاد کی

طاقتیں اپنی ہتھکنڈے استعمال کر کے اس آواز کو دبا دیتی ہیں۔ یہ ہمارے دور میں انسانیت عامہ کے لیے سب سے بڑے استحصال کا سبب اور بدترین باطل اور کفر ہے جس کو مسلمان اطلاقی طریقہ کار کے ذریعہ قرآن کے معاشی نظام سے بدلنے کی کوششیں بروئے کار لانے میں ناکام رہے ہیں۔

مسلمانوں کے پاس وہی وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ موجود ہے، لیکن وہ اس سے 'حق کے غلبہ' کی شفا اور رحمت لینے کے بجائے خود روایات کے مذاہب کے شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے سرمائیداریت شکن انسان دوست اقتصادی اصول و مبادیات شفا و رحمت بنا کر دی ہیں لیکن مسلمان اسی سرمائیداریت کی شکنجے کے اندر ہی اپنی عافیت ڈھونڈھتے ہیں اور اس کے اندر ہی اپنے لیے کچھ اسلامی اصطلاحات گھڑ کر جینے کے درپے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ان کے لیے حق کا غلبہ اور باطل کا سدباب ہو تو کیسے ہو؟

اسی طرح حق کے غلبہ کے لیے ایک اصول قرآن حکیم نے تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (سورۃ العصر: ۳) بتایا ہے۔ یہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ایک جماعتی زندگی ہے جو اس انقلاب برپا کرنے والی پارٹی ہو۔ اس پارٹی کے اصول انسانیت عامہ کے نمائندہ ہوں۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ:

”اگر کوئی شخص کسی عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان بنالے اور اس کے مطابق عمل بھی کرلے اور اپنا جان و مال اور سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا پختہ ارادہ بھی رکھتا ہو، تو وہ اجتماع اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو نہ ملائے جن کا ایمان اس کے اپنے ایمان جیسا ہو اور پھر وہ سب مل کر اپنے مشترک ایمان کی تکمیل کے لیے پوری پوری اور انتہائی جدوجہد کریں اور اگر اپنے میں سے کسی کے ایمان یا عمل میں کمزوری یا کوتاہی پائیں تو اسے ایمان پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین

کریں۔" (مجموعۂ تفاسیر امام سندھیؒ، ص ۵۶۶)

یہ عمل تواصو بالحق ہے۔ اس عمل میں کبھی کسی بات کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کبھی کسی بات کرنے سے روکا جائے گا۔ اس عمل کو قرآن حکیم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کہا گیا ہے۔

اللہ کی شہادت

اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ان اعلیٰ انسانی صداقتوں کے قیام کے لیے جب انسان اپنی شہادت یا جدوجہد مکمل کر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی شہادت اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتادیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے اور باطل کا کون پرستار ہے؟ یعنی "قضاء بالحق" کا قانون حق کو ثابت و قائم رکھ کر اور اس کے حریف کو مٹا کر حقیقت حال کا اعلان کر دیتا ہے:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ (العنکبوت:۵۲)

"(ان لوگوں سے) کہہ دو: اب کسی اور ردو کد کی ضرورت نہیں، میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اس کے علم میں ہے۔ پس جو لوگ (حق کی جگہ) باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں تو یقیناوہی ہیں جو تباہ ہونے والے ہیں!"

ایک دوسرے موقع پر فیصلۂ امر کے لیے اسے سب سے بڑی شہادت قرار دیا ہے:

قُلْ اَىُّ شَىْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۚ (الانعام:۱۹)

"پوچھو! کون سی بات سب سے بڑی گواہی ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو: اللہ کی گواہی۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان (فیصلۂ امر کے لیے) گواہی دینے والا ہے!"

"قضاء بالحق" مادیات اور معنویات کا عالمگیر قانون ہے

قرآن حکیم کہتا ہے: اس قانون سے تم کیونکر انکار کر سکتے ہو؟ جب کہ زمین و آسمان کا تمام کارخانہ اسی کی کار فرمائیوں پر قائم ہے۔ اگر فطرت کائنات نقصان اور برائی چھانٹتی نہ رہتی اور بقاء و قیام صرف اچھائی اور خوبی ہی کے لیے نہ ہوتا تو ظاہر ہے تمام کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جاتا۔ جب تم جسمانیات میں اس قانون فطرت کا مشاہدہ کر رہے ہو تو معنویات میں تمہیں کیوں انکار ہو؟

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ط (المؤمنون:۷۱)

"اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرے تو یقین کرو! یہ آسمان و زمین اور جو کوئی اس میں ہے، سب درہم برہم ہو کر رہ جائے!"

قضاء بالحق اور تدریج و امہال

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ام الکتاب میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا "قضاء بالحق" کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جائے اور ہر عمل حق فوراً فتح مند ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا اور "رحمت" کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ایسا نہ ہو۔ جس رحمت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ مادیات میں "تدریج و امہال" کا قانون نافذ ہے، اسی رحمت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے۔ اور عالم مادیات ہو یا معنویات، کائنات ہستی کے ہر گوشے میں قانون فطرت ایک ہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ دنیا میں کوئی انسانی جماعت اپنی بد عملیوں کے ساتھ مہلت حیات پا سکتی:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ط (یونس:۱۱)

"اور جس طرح انسان فائدے کے لیے جلد باز ہوتا ہے) اگر (اسی طرح) اللہ انسان

کو سزا دینے میں جلد باز ہوتا تو (انسان کی لغزشوں، خطاؤں کا یہ حال ہے کہ) کبھی کا فیصلہ ہو چکتا اور ان کا مقررہ وقت فوراً نمودار ہو جاتا۔"

قرآن میں جہاں کہیں انتظار اور تربص پر زور دیا ہے اور کہا ہے: جلدی نہ کرو، انتظار کرو، عنقریب حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا، مثلاً

قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (یونس:۱۰۲)

تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ جس طرح مادیات میں ہر حالت بتدریج نشو و نما پاتی ہے اور ہر نتیجہ کے ظہور کے لیے ایک خاص مقدار، ایک خاص مدت، اور ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح اعمال کے نتائج کے لیے بھی خاص مقدار اور اوقات کے قوانین مقرر ہیں جن کی رو سے ہر نتیجہ ایک خاص مدت کے بعد ظہور میں آ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کے لیے تاجیل اور امہال کا قانون بتایا ہے، جس کا مطالعہ ہم الگ سے کریں گے۔